عقیدہ توحید قسط:6

بدعت کی شرعی حیثیت

محمد حسن آصم صدیقی مرحوم

سابقہ ابحاث سے آفتابِ نیمروز کی طرح واضح ہوگیا کہ شرعی دلائل و براہین کی اصولی قسمیں چار ہیں: کتاب اللہ، سنت رسول اللہ ﷺ، اجماع امت اور قیاس۔ اور یہ امر بھی ثابت ہوگیا کہ قیاس بھی شرعی حجت ہے، بدعت نہیں۔ ہمیں بحیثیت مسلمان اپنے ہر قول و فعل کو ان دلائل کی کسوٹی پر پرکھنا ہے۔ جو ان کے موافق ہو وہ حق ہے اور اسی میں نجات و فلاح ہے۔ اور جو ان سے ثابت نہ ہو یا ان سے متصادم ہو، باطل اور مردود ہے۔

قیاس سے متعلق ایک نفیس بحث:

اس بات میں شک و شبہ کی گنجائش نہیں کہ دین کی تکمیل رسول اللہ ﷺ کے عہد مبارک میں ہوچکی ہے۔ مگر تکمیل دین کا مطلب یہ ہے کہ قواعد و ضوابط اور کلیات دین بالکل مکمل ہو چکے تھے۔ بعد میں پیش آنے والے واقعات و حوادث کو ان اصول و کلیات کے تحت درج کرنا اور انہی جزئیات کو کلیات پر منطبق کرنے کا نام قیاس و اجتہاد ہے۔

فروعی مسائل میں فقہائے اسلام کے اختلاف کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ بسا اوقات جزئیات کو کلیات میں داخل کرنے کے سلسلے میں کوئی اہم پہلو کسی خاص عارضہ کی وجہ سے بعض اہل علم پر مخفی رہ جاتا ہے۔ ایسے مواقع پر مختلف اقوال میں سے جو اقرب الی الحق محسوس ہو اسی کو قبول کر کے اس پر عمل پیرا ہو جانا نجات کے لئے کافی ہے۔ ہاں جب بھی قرآن وحدیث سے کوئی دلیل مل جائے یا اجماع کا ثبوت ہو جائے تو اس صورت میں قیاس سے رجوع کرنا لازم ہے۔ ائمہ دینؒ ایسے مواقع پر اپنے فتاوی سے رجوع کرنے میں ہرگز تأمل نہ فرماتے تھے۔ لہٰذا ایسی صورت میں ہمیں بھی بلا تأمل ان کے اقوال و فتاویٰ سے رجوع کر لینا چاہیے۔

جن مسائل اور امور میں حضرات فقہائے کرامؒ نے اجتہاد و قیاس کیا ہے، ان کے اصول و ضوابط رسول اللہ ﷺ اور حضرات صحابہ کرام و تابعین و تبع تابعین کے مقدس ادوار میں موجود تھے، مگر ان مسائل کے دواعی و اسباب اس وقت رونما نہ ہوئے تھے۔ جب ان کے اسباب و محرکات وجود میں آئے تو ہر زمانے کے فقہاء کرام کو قیاس و اجتہاد کی حاجت محسوس ہوئی اور انہوں نے اپنے اجتہاد سے ان مسائل کی کڑی نصوص شرعیہ سے جوڑ دی اور جزئیات کو کلیات میں داخل کر دیا۔

بخلاف ان جملہ بدعات کے جن پر آج شدت کے ساتھ بدعت پسند حضرات عمل پیرا ہیں، حتی کہ انہوں نے اپنے عملی التزام اور اصرار سے ان کو شعائر دین بنا رکھا ہے۔ اور ان بدعات میں شریک نہ ہونے والوں کو وہابی، گستاخ، منکرین اولیاء جیسے خطابات مرحمت فرماتے ہیں۔ ان میں سے ہر بدعت کا سبب اور محرک خیر القرون میں موجود تھا مگر ان خود ساختہ اعمال کا کوئی شائبہ تک ان مبارک زمانوں میں نہ تھا۔

لہٰذا ان بدعات وخرافات کو قیاس واجتہاد کی مد میں شامل کرنا سراسر بے دینی، نری جہالت اور علم شریعت کی تذلیل ہے۔ مثلاً عید میلاد منانے کا سبب (رسول اللہ ﷺ کی ولادت باسعادت) اسوقت موجود تھا۔ چالیس سال قبل از بعثت اور تیئس سال بعد از نبوت آپ ﷺ نے اپنی قوم اور اپنے جان نثار صحابہ کی معیت میں گزارے تھے۔ اور حضرات صحابہ کرام وتابعین عظام میں آپ ﷺ کی گہری محبت اور والہانہ عقیدت اتنی شدید تھی، جس کا آج کے مسلمان تصور تک نہیں کر سکتے۔ لیکن کسی صحابی نے آپ کا یوم ولادت نہ منایا۔ اور نہ صحابہ کے شاگردوں اور تربیت یافتہ اولاد اور تابعین میں سے کسی نے میلاد النبی کی مجلس منعقد کی، نہ ان کے بعد کسی تابع تابعی نے ایسا اقدام کیا۔ جب سبب اور محرک موجود تھا اور یہ بدعت موجود نہ تھی، تو بعد میں کسی کو اس مسئلے میں قیاس کرنے کی ہرگز ضرورت ہے نہ گنجائش۔

اسی طرح آپ ﷺ کی دو ازواج مطہرات خدیجہ اور زینب ام المساکین، آپ کے پیارے چچا حمزہ سید الشہداء، آپ ﷺ کی تین صاحبزادیاں رقیہ، ام کلثوم اور زینب اور جملہ صاحبزادے ﷺ آپ کی سعادت بھری زندگی میں اس جہانِ فانی سے رخصت ہوئے، مگر آپ ﷺ نے ان کا تیجہ منایا، نہ ساتویں اور نہ چالیسویں دن کسی قسم کا اہتمام فرمایا، نہ عرس کیا، نہ قبروں پر چراغ جلائے، نہ پھولوں کی چادریں چڑھائیں، نہ کتبہ لکھوایا، نہ گنبد بنوائے۔ بلکہ ان میں سے بیشتر اشیاء کے متعلق صریحاً نہی بلکہ لعنت فرمائی۔ ☆

☆ ان واضح فرامین نبویہ میں سے بعض درج ذیل ہیں:

1۔ ابوالھیاج حیان بن حصین الاسدیؒ کہتے ہیں کہ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے مجھ سے فرمایا "ألا أبعثك على ما بعثني عليه رسول الله ﷺ ان لا تدع تمثالًا الا طمسته ولا قبرا مشرفا إلا سويته" کیا میں تجھے ایک ایسی ذمہ داری نہ سونپ دوں، جو رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونپی تھی؟! ہر تصویر کو مٹا دو اور ہر بلند تعمیر شدہ قبر کو ہموار کردو۔

(صحیح مسلم کتاب الجنائز حدیث ۹۳۔۳۶/۷، ابوداؤد الجنائز ۳/۵۴۸، الترمذی کتاب الجهاد ۱۷۱۳ =

اور جن چیزوں کا نام لے کر صریحاً حرمت کا تذکرہ نہیں ہوا، ان پر حرمت بدعت کے عمومی دلائل اور وجوبِ اقتدا کے صریح نصوص روز روشن کی طرح عیاں ہیں۔

علمائے اسلام کا اتفاق ہے کہ نص کی موجودگی میں قیاس کرنا حرام ہے۔ اور جس نام نہاد قیاس کے سہارے بدعت ایجاد کئے جاتے ہیں وہ تو نصوص شرعیہ سے متصادم ہیں۔ لہذا ایسی قسم کی قیاس آرائیاں بالاولی باطل ہوں گی۔ اور ان قیاس کرنے والوں کے گلے کا بوجھ بنیں گی۔

خیر القرون میں بھی جنازے اٹھتے تھے مگر اس کے ارد گرد بیٹھ کر قرآن پاک نہ پڑھا جاتا تھا۔ جنازے کے ساتھ کلمہ طیبہ کا ورد جہراً ہوتا تھا اور نہ (كل حي يموت) کے نعرے ہی بلند ہوتے تھے۔ نماز جنازہ تو پڑھی جاتی تھی مگر نماز کے بعد

= و قال :حسن صحيح ، النسائي كتاب الجنائز ٢٠١٢ ، ابن ماجه كتاب الجنائز ١٥٦٠)

2۔ حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما کا بیان ہے: (نهى رسول الله ﷺ أن يجصص القبر وان يقعد عليه وأن يبنى عليه) زاد سليمان بن موسى (أو أن يكتب عليه) ''رسول اللہ ﷺ نے قبروں کو پختہ کرنے، ان پر بیٹھنے اور ان پر تعمیر کرنے سے منع فرمایا۔ (مسلم ۷/۳۷ ، ابو داؤد ۳/۲۰۲) سنن ابی داود میں ہے: ''اور قبروں پر لکھنے سے بھی منع فرمایا۔''

3۔ ابو مرثد الغنوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لا تجلسوا على القبور ولا تصلوا اليها) ''قبروں پر مت بیٹھو اور قبروں کی طرف نماز نہ پڑھو۔'' (مسلم ۷/۳۸، ابو داود ۳/۵۵٤)

4۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (لاعقر فى الاسلام) ''دین اسلام میں قبر پر ذبح کرنا نہیں ہے۔'' راوی عبد الرزاق صنعانی رحمہ اللہ نے کہا کہ زمانہ جاہلیت کے لوگ قبر پر گائے یا بکری ذبح کرتے تھے، اس سے منع فرمایا ہے۔ (ابو داؤد كتاب الجنائز باب ۷٤ كراهية الذبح عند القبر ۳/۵۵۰)

5۔ حضرت عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: (ليس منا من لطم الخدود وشق الجيوب ودعا بدعوى الجاهلية) ''وہ شخص میری امت میں سے نہیں جو مصیبت کے وقت اپنے چہرے پر مارے، گریبان پھاڑے اور جاہلانہ طریقے پر واویلا کرے۔'' (بخاری كتاب الجنائز ۳/۱۹۵، ۱۹۸)

6۔ حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا بیان ہے کہ (ان رسول الله ﷺ برئ من الصالقة والحالقة والشاقة) ''بے شک رسول اللہ ﷺ نے ایسی عورت سے بیزاری کا اعلان فرمایا جو مصیبت میں تھپڑ مارے، بال منڈائے اور کپڑا پھاڑ ڈالے۔''

(بخاری كتاب الجنائز باب ۲۷ ـ ۳/۱۹۷)

اجتماعی دعا نہ مانگی جاتی تھی۔دفن کرتے تھے، دفن کے بعد مردے کیلئے ثابت قدمی کی دعا مانگی جاتی تھی مگر قبر میں تلقین پڑھنے کا رواج نہ تھا۔ نہ ہی قبر پر اذان ہوتی تھی۔اسلاف امت کتاب وسنت سے ثابت ذکر الٰہی اور درود شریف بکثرت پڑھا کرتے تھے،مگر اجتماعی صورت میں جہر یہ ذکر کی محفلیں منعقد نہ کرتے تھے۔نہ خود ساختہ اوراد و وظائف کو اہمیت دیتے تھے۔

الغرض آج جتنی بھی بدعات رائج ہیں ان میں سے ہر ایک کا سبب خیر القرون میں موجود تھا،مگر یہ اعمال کسی بھی مسلمان معاشرے میں رائج نہ تھے۔اگر قیاس واجتہاد کے ذریعے نت نئے طریقے ایجاد کر کے ثواب حاصل کرنے کی کوئی گنجائش ہوتی تو حضرات ائمہ مجتہدینؒ اس سے ہرگز نہ چوکتے،کیونکہ ایمان ان کا زیادہ راسخ تھا، زہد وتقوی میں وہ آگے تھے، خوف الٰہی اور فکر آخرت میں وہ کمال رکھتے تھے، قیاس واجتہاد اور علم دین میں انہیں فوقیت حاصل تھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان ائمہ اہل سنتؒ نے انہیں اختیار نہ کیا،لیکن بعد کے ملاؤں نے انہیں ایجاد کر کے ایسا انقلاب برپا کیا کہ یہ خود ساختہ رسوم ورواج **''اہل سنت''** کی پہچان بن گئے! العیاذ باللہ للہ کچھ تو غور فرمائیے!

یہ کاوشیں بے سبب ہیں کیسی؟ کدورتوں کی کچھ انتہا بھی ہے
زبان رکھتے ہیں ہم بھی آخر،کبھی تو پوچھو سوال کیا ہے؟

یہ ایک ایسا قاعدہ ہے جس کو ذہن نشین کر لینے سے خود ساختہ بدعات کی کھوکھلی عمارت خود بخود پیوند زمین ہو جاتی ہے۔جن امور کے اسباب ودواعی زمانہ رسالت مآب ﷺ میں موجود تھے،ان میں قیاس کی کوئی گنجائش نہیں اور نہ یہ اللہ رب العالمین کی عدالت میں **''عمل صالح''** قرار پاسکتے ہیں، بلکہ یہ امور بدعت ہونے کی وجہ سے اعمال قبیحہ وسیئہ میں سرفہرست آتے ہیں۔اس میں شک وشبہ کی کوئی گنجائش نہیں۔

علامہ قاضی ابراہیم الحنفیؒ فرماتے ہیں: ''اگر آپ ﷺ کے زمانے میں سبب موجود ہو لیکن کسی عارضی وجہ سے متروک کیا گیا ہو اور رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مانع جاتا رہا ہو تو ایسے امر کا احداث جائز ہے، جیسے قرآن کو دو جلدوں کے درمیان جمع کرنا۔ نبی کریم ﷺ کے عہد مبارک میں یہ مانع تھا کہ وحی برابر آتی رہتی تھی، اللہ تعالیٰ کچھ احکام کو منسوخ کر دیتا، اور جو چاہتا بدل دیتا تھا۔رسول اللہ ﷺ کی وفات کے بعد وہ مانع نہ رہا۔اور جس کام کا سبب رسول اللہ ﷺ کے عہد زریں میں موجود ہو اور اس میں کوئی مانع بھی نہ ہو،اس کے باوجود وہ رسول اللہ ﷺ کے قول وفعل سے ثابت نہ ہو ایسے کام کو کر کے ثواب کی امید رکھنا اللہ تعالیٰ کے دین کو بدلنا ہے۔کیونکہ اگر اس کام میں کوئی شرعی مصلحت ہوتی تو امام الانبیاء ﷺ اس کام کا عملی نمونہ پیش فرماتے یا ترغیب دیتے یا صحابہ کرام ؓ ہی اسے انجام دیتے تو اس پر آگاہ ہو کر آپ ﷺ

اعتراض نہ فرماتے۔ جب ایسا واقع نہیں ہوا تو یہ بات انتہائی واضح ہے کہ اللہ عزوجل کی بارگاہ میں وہ عمل مردود اور بدعت قبیحہ ہے، اگرچہ بظاہر کتنی پر مشقت عبادت ہی کیوں نہ ہو۔

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما سے مروی ہے آپ نے فرمایا: (**اخوف ما اخاف علی الناس اثنتان ،ان یؤثروا ما یرون علی ما یعلمون، وأن یضلوا وهم لا یشعرون**) ''مجھے لوگوں پر سب سے زیادہ دو چیزوں کا خطرہ محسوس ہوتا ہے:

(۱) وہ جو کچھ دیکھتے ہیں (بدعات) اس کو اس پر ترجیح دیں جو وہ جانتے ہیں (سنت)۔

(۲) یہ کہ وہ اس حالت میں گمراہ ہو جائیں کہ انہیں اس کا شعور ہی نہ ہو۔

سفیان ثوریؒ کہتے ہیں: اس سے مراد بدعتی ہے۔ (الاعتصام ۱/۷۸)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا: (**اتبعوا آثارنا ولا تبتدعوا فقد کفیتم**) ''ہمارے نقش قدم کی پیروی کرو اور بدعت اختیار نہ کرو، یقیناً تمہارے لئے کافی ہوگا۔'' (الاعتصام ۱/۷۹) نیز فرمایا: (**ایها الناس لا تبتدعوا ولا تنطعوا ولا تعمقوا، وعلیکم بالعتیق، خذوا ما تعرفون ودعوا ما تنکرون**) ''اے لوگو! بدعت نہ بیا کرو اور غلو نہ کرو اور زیادہ باریکیوں اور گہرائیوں میں نہ اترو، بلکہ قدیم اعمال کی پابندی کرو۔ جس کام کی دلیل تم جانتے ہو اسے اختیار کرو اور جسے تم نیا اور انوکھا پاتے ہو اسے ترک کر دو۔'' (الاعتصام ۱/۷۹)

علامہ ابن کثیرؒ نے دلائل شرعیہ واقوال اسلاف کی روشنی میں فرمایا: ''اہل سنت والجماعت کہتے ہیں کہ ہر وہ قول وفعل جو صحابہ کرامؓ سے ثابت نہ ہو وہ بدعت ہے، کیونکہ اگر وہ کام شرعی لحاظ سے اچھا ہوتا تو ضرور اصحاب کرامؓ اس کام کے کرنے میں ہم سے سبقت لے جاتے۔ یقیناً وہ ہر نیکی کے کام میں امت سے سبقت لے جانے والے تھے۔ تفسیر ابن کثیر

لہٰذا قیاس واجتہاد برحق ہے، مگر صرف ان امور ومسائل میں جن کے دواعی واسباب اور محرکات رسول اللہ ﷺ کے بعد ظہور پذیر ہوئے۔ اور ایسے امور میں ہرگز ہرگز قیاس جائز نہیں جن کے دواعی واسباب جناب رسالت مآب ﷺ اور صحابہ کرامؓ کے عہد زرین میں موجود تھے۔ آج جتنی بھی بدعات رائج ہیں ان میں سے غالب اکثریت وہی ہیں جن کے اسباب اس وقت موجود تھے۔ ایسے امور میں فلاح ونجات کے لیے صحابہ کرامؓ کی روش کی پابندی ضروری ہے، ان کی مخالفت کرنے والے سے اللہ تعالیٰ بھی ناراض ہوگا۔ یہی بدعت ہے، گمراہی ہے اور اسی میں اخروی تباہی ہے۔

الٰہی خیر ہو کہ فتنہ آخر زمان آیا   رہے ایمان و دین باقی کہ وقتِ امتحان آیا